عصمت چغتائی کی ناول نگاری اور سیاسی شعور کی پیشکش

عظمیٰ اختر
ریسرچ اسکالر، شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی
uzmaaliakhtar@gmail.com
پروفیسر ڈاکٹر تنظیم الفردوس
سابق صدرشعبۂ اُردو، جامعہ کراچی
tanzimulfirdous@yahoo.com

ABSTRACT

Ismat Chughtai is the famous short story writer and novelist of Urdu literature. In her novels she focused on human psychology and realistic features of society especially we can find a great emphasis on social and political features in her novels. In this article these types of novels are included social and political awareness identity social and make her internationally recognized in this field "Zidi", "Tehri Lakir", "Masooma" by Ismat Chughtai are such a heart wrenching stories, she has narrated all such realities of society and political perspective also. This article traces and analysis the Ismat Chughtai's novel writing and her political wisdom show in their work.

Keyword: Ismat Chughtai, human psychology, social and political features

بیسویں صدی کو سائنسی ایجادات و انکشافات، علمی، ادبی، سیاسی سماجی رجحانات کی صدی کہا جاتا ہے۔ تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو بیسویں صدی عیسویں کے آغاز میں ہی اسلامی دنیا ثقافتی اور سیاسی لحاظ سے بحران کا شکار ہوچکی تھی۔ مغربی طاقتوں کا عروج بڑھتا جارہا تھا۔ مسلم سلطنتیں تباہی و بربادی کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ سلطنت عثمانیہ اپنے اختتام پر پہنچ رہی تھی، ۱۹۱۱،۱۲ء کی جنگ نے دولت عثمانیہ کو یورپ سے خارج کردیا تھا۔ پہلی جنگ ِعظیم کے بعد

ایشیا میں بھی ان کا اقتدار خطرے میں تھا۔ جنوب مشرقی ایشیا کے مسلم ممالک بھی مغربی طاقتوں، برطانوی سامراج کے شکنجے میں آچکے تھے۔ ہندوستان میں برطانوی راج کا سورج بڑی آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر شمس الدین صدیقی لکھتے ہیں:

> ”۱۹۱۴ء/ ۱۹۱۶ء کی جنگِ عظیم سے کچھ عرصہ قبل ہندوستان کی سیاسی فضا میں بڑا تموج تھا جس نے ذہنی ہیجان اور جذباتی جوش و خروش پیدا کردیا تھا۔ تقسیم بنگال، اس کے خلاف ہیجان اور پھر اس کی تنسیخ، مسلم لیگ کی تشکیل، منٹو مارلے اصلاحات، مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ مسجد کانپور کا سانحہ یہ سب باتیں عوام الناس کی دلچسپی کو سیاست کی طرف موڑنے والی تھیں۔“ (ص13، صدیقی)

بیسویں صدی کی ابتدا میں سرسیّد کی اصلاحی تحریک کے ردِّعمل کے طور پر رومانوی رجحانات نے جنم لیا۔ تاہم اس کے پہلو بہ پہلو مقصدیت اور عقلیت کے رجحانات بھی اُردو اَدب میں موجود رہے۔

نئے سیاسی حالات، نئے علوم اور نئی سماجی اقدار نے نئے ذہن اور نئے ادب کو تخلیق کیا۔

علی گڑھ تحریک کے زیرِ اثر سرسیّد اور ان کے رفقاء نے پہلی بار اُردو میں حقیقت نگاری، عقلیت پسندی پر زور دیا۔ بالخصوص نثری ادب پر زور دیا گیا۔

جب ہم بیسویں صدی کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ زمانہ بھی انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے بلکہ پوری دنیا بالخصوص ہندوستان میں بے چینی و انتشار، جدوجہد کا زمانہ ہے۔ عالمی جنگ کے آثار نمودار ہورہے ہیں۔ خلافت تحریک وجود میں آتی ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں جدوجہد آزادی میں ایک زبردست اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں کانگریس نے ”مکمل آزادی“ کا نعرہ بلند کیا۔ یورپ میں بھی سیاسی بحران عروج پر تھا۔ دوسری عالمی جنگ ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء کا

سلسلہ بھی شروع ہوچکا تھا۔ سرمایہ داری نظام تقویت پارہا تھا۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا تبدیلی کے زیرِ اثر تھی۔ ان حالات میں تشکیل پانے والا ادب ان حالات کے زیرِ اثر تخلیق ہوا۔ ترقی پسند تحریک اپنی حالات و واقعات کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ ملکی و بین الاقوامی سیاست کی تبدیلیاں جنگ و امن کے اثرات پوری دنیا میں مسلّط تھے۔ یورپ میں فاشزم کے خلاف احتجاج کرنے والے افراد، کارل مارکس کے نظریات اشتراکیت اور ہندوستان کی جدوجہد آزادی نے ترقی پسند تحریک کے منشور کو تقویت دی۔ ہندوستان میں اس تحریک کو بہت جلد مقبولیت حاصل ہوئی اور ترقی پسند ادب کا سلسلۂ تخلیق شروع ہوا۔ ہندوستان بھر میں ترقی پسندانہ خیالات رکھنے والے ادیبوں اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ ڈالا۔ ایک جملہ ”ہمیں حسن کا معیار تبدیل کرنا ہوگا۔“ ترقی پسند ادیبوں میں بے حد مقبول ہوا۔ ایسے موضوعات کو ادب کا حصہ بنانے پر غور ہوا جو زندگی کی حقیقتوں کو روشناس کرائے۔ ادب میں سائنسی عقلیت پسندی کو فروغ دیا گیا۔ رجعت پسندی اور ماضی پرستی کے رجحانات کی روک تھام پر زور دیا گیا۔ ترقی پسند تحریک کا بنیادی مقصد نہ صرف ادب کو زندگی کا آئینہ دار بنانا تھا بلکہ ادب کے ذریعے زندگی کو بہتر بنانا بھی تھا۔ ترقی پسند تحریک کی فکری بنیاد سیاست پر تھی۔ ترقی پسند ادیبوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ایسا ادب تشکیل دیا جائے جس کا گہرا تعلق سیاست سے ہو اور سیاسی مسائل کی ادب میں تشریح کی جائے۔

ہنس راج رہبر لکھتے ہیں:

> ادب، سیاست اور سماج میں بڑا گہرا تعلق ہے اگر ادیب یا شاعر کا سماجی نقطۂ نظر صاف اور واضح نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا سیاسی نقطۂ نظر بھی صاف نہیں ہوگا۔‘(ص142، رہبر، 1967)

ادب ہمیشہ تبدیلیوں کی حمایت کرتا ہے کیوں کہ یہی تبدیلیاں اکثر انسان کو سب سے ضروری معلوم ہوتی ہیں بالخصوص سیاسی اور معاشی تبدیلیوں تک اگر ہم اپنے تبدیلی کے مفہوم کو محدود رکھیں تو یہ وہ تبدیلیاں ہوتی ہیں جو کسی انقلاب کا پیش خیمہ بنتی ہیں۔ دیگر زبانوں کے ادب کی طرح اُردو اَدب نے بھی ہمیشہ اس

قسم کی انقلابی تبدیلیوں ... یعنی انسانی شعور کی تبدیلیوں کا ساتھ دیا ہے۔ سرسیّد کی تحریک سے ترقی پسند تحریک تک سیاسی و معاشی تبدیلیوں کا زمانہ ہے۔ ادیب کا سیاسی شعور ہر دَور میں اس کی تحریروں میں پیش ہوتا رہا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ادیبوں سے اس بات کی ہمیشہ توقع کی گئی ہے کہ وہ سیاسی حالات کی پیشکش کریں۔ ادب چوں کہ ہماری فکر کو تحریک بخشتا ہے۔ ادب ایک ایسا آئینہ ہے جو قومی سطح پر معاشرتی خوبیوں اور خامیوں کا عکس دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر عصری زندگی کے مسائل بنیادی طور پر سیاسی ہیں تو یہ مسائل بھی اس دَور کے ادب میں جھلکتے ہیں اور ہر عہد میں سیاست زندگی کے اہم پہلو میں شمار ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی بھی ادیب سیاست سے مبرّا نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ ہر دَور کا ادب اپنے عہد کے سماجی، معاشرتی و تہذیبی ماحول کی پیشکش ہوتا ہے۔ ادب پر سیاست کے اثرات نہ صرف موجودہ دَور میں بلکہ ہر دَور میں مرتّب ہوئے۔ سیاست کے محرکات، ادب پر بہت واضح نظر آتے ہیں۔ ”اُردو اَدب اپنے آغاز ہی سے سیاسی حالات کے زیرِ اثر مختلف مقامات پر مختلف وسیلوں سے پروان چڑھتا رہا۔“ (ص۳: تحسین بی بی) اُردو اَدب میں سیاسی شعور کا مطالعہ اس لحاظ سے ایک اہم موضوع ہے...

Mimir Urdu Encyclopediaکے مطابق:

> ”سیاسی شعور سے مراد سیاسی جماعت کی حمایت اور سیاسی مسائل کے حوالے سے رائے اور رویوں کا مجموعہ ہے۔ روایتی طور پر کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگ جو سیاست کے علمبردار اور تنقیدی ہوتے ہیں۔ سیاسی شعور رکھتے ہیں لیکن یہ ایک علمی اصطلاح کے طور پر عام نہیں ہے۔“(ویب گاہ:mimirbook.com)

اس موضوع پر مزید "Mimir" لکھتا ہے:

> ”جدید معاشرے میں یہ عام علم تھا کہ انفرادی سیاسی مسائل پر رائے اور رویوں میں لبرل ازم،

قدامت پسندی یا بنیاد پرست یا رجعت پسندی کی
ہم آہنگی ہوتی ہے۔ تاہم جب کہ حق رائے دہی
"جائیداد اور ثقافت" کے حامل شہریوں تک محدود
تھی۔ اُصولوں اور رویوں میں یہ اختلافات صرف اور
صرف سیاسی شعور کے موضوعی اور منطقی
حصوں جیسے کہ فکر اور عالمی نظریہ میں جڑے
ہوئے ہیں جیسی چیز سمجھتا جاتا تھا۔" (ایضاً)

"شعور" عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی عقل، سلیقہ، تمیز، پہچان اور آگاہی وغیرہ کے ہیں۔ انگریزی میں اس کا متبادل Awareness ہے۔ سماجی شعور، سماجی آگاہی اور پہچان سے عبارت ہے۔ یہاں وہ تغیّر و تبدّل اہم ہے جو ہمہ وقت کسی سماج میں جاری و ساری رہتا ہے اور زندگی کے نئے رُخ متعین کرتا ہے۔ (ص14، بٹ، 2009)

انسان فطری طور پر معاشرتی ہے۔ سماج کے بغیر انسان اور انسان کے بغیر سماج کا کوئی تصوّر نہیں بنتا۔ انسانی رویے، رجحانات، تصوّرات و خیالات معاشرے میں تغیّر و تبدّل پیدا کرتے ہیں۔ سیاست اور سیاسی ماحول، سماجی آگاہی کا سب سے اہم حصّہ ہے۔ سیاسی ماحول سے لاتعلق رہ کر کوئی انسان خود کو سماجی آگاہی ہمکنار نہیں کرسکتا۔

ایک معاشرے میں جہاں روایتی انداز ثقافت اور مخصوص طرزِ حیات پر افراد کاربند رہتے ہیں وہاں عوام کا سیاسی علم محدود ہوتا ہے۔ ان حالات میں روایتی سیاسی بے حسی عام ہوتی ہے کیوں کہ افرادِ معاشرے کی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں بھی محدود ہوتی ہیں۔ سیاسی جمہوری جماعتیں، عوامی تنظیمیں ، جرائد و رسائل، تعلیمی و علمی درسگاہیں، ادبی تحریکات، مذہبی دانشور اور ترقّی پسند مصنّفین روایتی قدامت پسندی اور روایتی معاشروں کے خاتمے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور سیاسی شعور کی تشکیل کا اصل ذریعہ ہوتے ہیں۔

الفرڈ ویبر، سیاسی شعور کو سماجی اخلاقیات کے ذریعے بیان کرتا ہے جو ہر تاریخی معاشرے کے لیے مخصوص ہے اور یہ نسلی ثقافتی روایات اور اخلاقیات کی

تاریخی ترقّی کے مطابق ہے۔ اخلاقیات کے مرکز میں ایک مذہبی خیال ہے جو معاشی مفادات اور کائناتیات سے بالاتر ہے۔(ص 10، ترجمہ: عبدالحکیم، 1928)

مارکس کا خیال ہے کہ پیداواری تعلقات پر مرکوز معاشی مفادات بالآخر انسان کے سماجی اور سیاسی شعور کی وضاحت کرتے ہیں۔ تاہم مارکزم تجزیہ کرتا ہے کہ مسئلہ یہ ہے کہ حکمران طبقے کی طرف سے تعلیم اور فروغ کی وجہ سے کنٹرول شدہ طبقہ غلط شعور میں گرفتار ہے۔ K. Manheim نے نظریہ کے اس مارکسی تصوّر کو بڑھایا تاکہ سیاست کے سماجی تجزیے کے طریقہ کار کو عام طور گروہ، طبقے یا قبضے کے زندہ مفادات کی وجہ سے محدود کیا جاسکے۔ (ویب گاہ: adbimiras.com)

فرد کا شعور مادّی حالات اور معاشرتی منظرنامے میں مسلسل عمل اور ردِّعمل سے تکمیل پاتا ہے۔ کسی شاعر یا ادیب کے شعور کی واقعیت مختلف حیثیتوں سے کی جاسکتی ہے۔ مادّی زندگی کے ماحول کی بنیادوں سے لے کر خوابوں اور خیالوں کی نیرنگی تک کئی منازل ہیں اور ہر منزل انسان کے شعور پر اپنا عکس چھوڑتی ہے۔ تاہم اصل اساسی تبدیلی معاشی زندگی کے نشیب و فراز سے متعین ہوتی ہے لیکن دوسرے اثرات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان دیگر اثرات میں ایک مسلم اثر سیاسی ماحول بھی ہے۔ معاشرے کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کا مطالعہ ایک جزو لازم کی حیثیت سے شامل ہوجاتا ہے۔

حالیؔ کی ادبی زندگی میں ان کے سیاسی شعور نے گویا جان ڈال دی تھی۔ انیسویں صدی کے ہندوستان کی سیاست کے اثرات نے حالیؔ کی ادبی زندگی کو نئی جہتوں سے ہمکنار کیا۔

”حالیؔ کا سیاسی شعور ماضی اور مستقبل کی طرف کھینچنے والی تہہ در تہہ تحریکوں، عقیدوں اور خیالوں سے وجود میں آیا تھا۔“ (ویب گاہ: rekhta.com)

پریم چند، کرشن چندر، منٹو، غلام عباس، سجاد ظہیر، علی سردار جعفری، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر شاعروں میں فیض احمد فیضؔ، ناصر کاظمی، احمد ندیم قاسمی، حسرت موہانی وغیرہ نے اپنی تخلیقات میں سیاسی شعور، سماجی تبدیلیوں اور معاشی و معاشرتی حالات کی عکاسی کی ہے۔ بیسویں صدی کی تمام سیاسی تحریکیں، سیاسی حالات کے تحت اُردو آدب پر اثر انداز ہوئیں۔ ان

سیاسی حالات نے اُردو آدب میں اسلوبیاتی دائرہ کار کو بھی وسیع کیا۔ کوئی بھی ادیب اپنے معاشرے اور اس کے اتار چڑھاؤ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اُردو ناول نگاری کو موضوعات کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز سے ہی اس میں سیاسی رنگ پیش ہونے لگا تھا۔ سیاسی موضوعات کو ناول کے قصّے میں خوب جگہ ملی۔ اصلاحی رجحان سے حقیقت نگاری تک ناول میں موضوعات کا تنوع نظر آتا ہے۔ ناول میں چوں کہ حیات کے فلسفیانہ مسائل اور عصری حقیقتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنے عہد کے سیاسی تناظر کی پیشکش اُردو ناول میں خوب ہوئی۔ چوں کہ سیاست زندگی کا اہم جزو ہے۔ اس کی اہمیت ناول نگاری میں بہترین انداز میں محسوس ہوئی۔ اُردو میں ناول نگاری کا آغاز جس شخص سے ہوا اس کا تعلق بھی سرسیّد تحریک سے تھا۔ پریم چند، حیات اللہ انصاری، عبداللہ حُسین، جوگندرپال، عزیز احمد، شوکت صدیقی، راجندر سنگھ بیدی، انور سجاد، ڈاکٹر احسن فاروقی، ڈاکٹر خالد سہیل وغیرہ کے ناولوں میں سیاسی فہم و شعور کی پیشکش بڑے مؤثر انداز میں نظر آتی ہے۔

کرشن چندر کا ناول "جب کھیت جاگے" ایک ایسے ہی سیاسی حالات کے پس منظر میں لکھا گیا ناول ہے جو ۱۹۵۲ء میں تلنگانہ کی کسان تحریک کے تناظر میں لکھا گیا۔ جو سرمایہ دارانہ نظام کے منفی اثرات کے تحت پیدا ہوئی۔ اسی کسان تحریک کے موضوع پر جیلانی بانو کا ناول "بارشِ سنگ" ۱۹۸۵ء تخلیق کیا گیا۔ کسانوں اور مزدوروں کی طویل جدوجہد کی داستان اس ناول میں پیش کی گئی ہے جو اس وقت کے اہلِ قلم کے سیاسی شعور کو اُجاگر کرتی ہے۔

"برف کے پھول" کرشن چندر کا ایک اور ایسا ہی ناول ہے جس میں کشمیر کے گاؤں کی منظر کشی، جاگیر داری نظام اور زمینداروں کی جبر وستم کی کہانیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔

"خدا کی بستی" میں شوکت صدیقی نے پہلی بار تقسیمِ ہند کے بعد پاکستانی معاشرے کے اصل حقائق کو بڑی جرأت مندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کراچی کے سیاسی مسئلے کو بڑی صراحت کے ساتھ اس ناول میں بیان کیا گیا۔ پاکستان کی سیاسی بساط کے بڑے تلخ موڑ کہانی میں پیش کیے گئے ہیں۔

ہندوستان میں صنعتی نظام کی بازگشت اور مزدور یونین تحریکات کی ابتدا جمہوری نظام کے لیے جدوجہد کرتے شہری اور قیامِ پاکستان کی سیاسی جدوجہد کے منظر نامے کو عبداللہ حسن نے "اُداس نسلیں" ۱۹۶۲ء میں بڑی سچائی سے پیش کیا ہے۔ منافع خوروں اور سرمایہ داروں کی ملکی سیاست میں ہر ممکن شمولیت نے پاکستان کے فلاحی مقصد کو کس حد تک نقصان پہنچایا، اس داستان کو عبداللہ حُسین کے سیاسی فہم و فراست نے بڑی خوبی سے "اُداس نسلیں" میں پیش کیا ہے۔

بانو قدسیہ نے "راجہ گدھ" میں جس طرح پاکستان کے نئے دولت مند طبقے کی طرزِ حیات کو موضوع بناتے ہوئے معاشرے کے معاشی، سیاسی اور نفسیاتی مسائل کی تصویر کشی ہے۔ وہ ان کی سیاسی و سماجی بصیرت کا ایک اہم ثبوت ہے۔

پریم چند کا ناول "میدانِ عمل" سیاسی و سماجی موضوع پر لکھا گیا ہے جس میں تحریکِ آزادی کی جدوجہد بڑے بھرپور انداز میں بیان کی گئی ہے۔ بیسویں صدی ہندوستان کی عوام کی زندگی میں ایک بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ مزدور، کسان، نوجوان اور دیگر افراد تحریکِ آزادی کا حصّہ بنے اور سیاست زمانہ کے دھارے میں باقاعدہ شامل ہوئے۔

ڈاکٹر احسن فاروقی کا ناول "سنگم" برِّصغیر کی سیاسی سماجی زندگی کے دائرہ کار کا احاطہ کرتا ہے۔ ناول میں مسلمانوں کی سیاسی فتوحات اور بھگتی تحریک کے اثرات کو پیش کرتے ہوئے مصنف نے اپنی تاریخی، فکری اور سیاسی بصیرت کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔

پاکستان کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی کشمکش کو انتظار حسین نے "آگے سمندر ہے" میں بڑے کرب سے بیان کیا ہے۔ بالخصوص کراچی کے سیاسی معاملات کو موضوع بناتے ہوئے کراچی کے آباد کاروں کی دُکھ بھری داستان بیان کی ہے۔ انتظار حُسین کے تمام ناولوں میں جن میں "بستی"، "تذکرہ" وغیرہ شامل ہیں۔ ہجرت کی تقسیم، نامساعد سیاسی حالات، سیاسی تحریکات کے سماجی زندگی پر اثرات وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں۔

خواتین ناول نگاروں میں قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، الطاف فاطمہ، بانو قدسیہ، رضیہ فصیح احمد، سائرہ ہاشمی، جمیلہ ہاشمی، رشیدہ رضویہ، رضیہ سجاد ظہیر وغیرہ کے ناولوں میں اپنے عہد کے سیاسی حالات کی بازگشت بڑے زور و شور سے سنائی دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خواتین ناول نگاروں نے نہ صرف بڑی جرأت مندانہ سعی کرتے ہوئے معاشرے کے حقیقی مسائل کو بڑی خوبی سے اُجاگر کیا ہے بلکہ سیاسی و سماجی نظام کی تصویر کشی بھی بہت عمدگی سے کی ہے۔

قرۃ العین حیدر کا ”میرے بھی صنم خانے“ تقسیم کے بعد شائع ہوا جس میں اودھ کی دم توڑتی تہذیب، حصولِ آزادی کی جدوجہد جاگیرداری اقدار کی مخالفت کو فکر و فلسفے کے رنگ میں ڈھال کر پیش کیا گیا ہے۔ ”سفینۂ غمِ دل“ میں بھی مصنفہ نے اس موضوع کو اپنے طرز میں بیان کیا ہے۔ اس ناول میں بدلتے ہوئے سیاسی حالات کا احساس ہر مقام پر موجود نظر آتا ہے۔ فرقہ پرستی کو فروغ دینے والی سیاست معاشی و سیاسی استحصال جیسے متفرق موضوعات پر مبنی قرۃ العین حیدر کے ناول ان کی سماجی و سیاسی بصیرت اور فہم و شعور کے عکاس ہیں۔

خدیجہ مستور کے ”آنگن“ میں ایک مکمل سیاسی ماحول نظر آتا ہے دو گھرانوں میں مسلم لیگ اور کانگریس جیسی بڑی جماعتوں کے حامی افراد کے درمیان اختلافات ان کی ذاتی زندگیوں میں نشیب و فراز کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس ناول میں برِّصغیر کی دوبڑی سیاسی جماعتوں کے ہندوستانی معاشرت پر اثرات کو بڑے احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ناول مصنفہ کے سیاسی شعور و آگاہی کی ایک اہم مثال ہے۔ ”آنگن“ کے بعد مصنفہ کا ناول ”زمین“ بھی پاکستانی سیاست کے پیچ و خم کو بیان کرتا ہے۔ الطاف فاطمہ نے ”چلتا مسافر“ میں بہاریوں کے مسئلے کو بڑی حقیقت پسندانہ سوچ کے ساتھ پہلی بار پیش کیا ہے۔ پاکستان کی سیاست کا ایک اہم باب بہاریوں کا معاملہ رہا ہے جس پر سیر حاصل انداز میں بہت کم فکشن میں لکھا گیا ہے۔ الطاف فاطمہ نے یہ جرأت مندی دکھائی ہے اور اس خالص سیاسی مسئلے کو اپنی سیاسی بصیرت سے پیش کیا ہے۔ جرأت اور بے باکی سے اظہارِ خیال کرنے والی ناول نگار خواتین میں عصمت چغتائی کا نام سرِفہرست ہے۔ عصمت کے موضوعات

میں سماجی، معاشرتی، جنسی اور نفسیاتی مسائل یقیناً کثرت سے ملتے ہیں۔ ان پر فحش نگاری کےا لزامات بھی عائد ہوئے لیکن عصمت چغتائی کے ہاں سماجی و معاشی کے ساتھ ساتھ سیاسی ماحول اور سیاست کے نتیجے میں پایا جانے والا استحصالی نظام، حقوق و فرائض کا احاطہ، سیاسی نظام کے جبر و احتجاج کی کیفیت، معاشرے سے جڑے سیاسی نظام کی گھٹن کو روایتی اور غیر روایتی انداز سے پیش کرنے کا سلیقہ بھی نظر آتا ہے۔

اُردو آدب میں عصمت چغتائی کا نام بہت معروف ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں انھوں نے جن نکات کو اپنی تحریروں میں اُجاگر کیا وہ حقوق نسواں کی تحریک کا باعث بنے۔ معاشرتی ناہمواری اور خواتین میں احساس محرومی بلاشبہ ان کے پسندیدہ موضوعات رہے ہیں۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز باقاعدہ ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں ہوا۔ اپنی تخلیقات میں جس بے باکی اور دبنگ انداز میں خواتین کے درد، تکالیف اور مرد سماج معاشرے کی ناہمواریوں کو انھوں نے جگہ دی وہ یقیناً قابلِ داد ہے۔ بمبئی فلم انڈسٹری میں بھی انھوں نے مکالمہ نگاری سے اپنی مضبوط جگہ بنائی۔ فلموں کے لیے مکالمے لکھے اور مکمل کہانیاں، اسکرپٹ وغیرہ بھی لکھے۔ ان کے ناول "ضدی" پر جو ۱۹۴۸ء میں لکھا گیا تھا۔ ان کے خاوند نے فلم بھی بنائی۔ فلم، ناقل، افسانے، اپنی ہر تحریر میں عصمت نے معاشرے کے سچے خدوخال پیش کیے ہیں۔ ہندوستانی عورت کے ہر مسئلے پر عصمت نے قلم اُٹھایا۔ ان کا پہلا افسانہ "گیندا" ہے جس میں انھوں نے ایک مڈل کلاس لڑکی کی کہانی سنائی ہے۔ افسانہ "لحاف" پر مقدمہ چلا۔ بعد ازاں وہ باعزت بری بھی ہوئیں لیکن ساری زندگی افسانہ "لحاف" کا نام ان کے نام سے جڑا دیا۔ ان کے مشہور ناولوں میں "ضدی"، "معصومہ"، "ٹیڑھی لکیر" وغیرہ شامل ہیں۔ "ٹیڑھی لکیر" کا انگریزی ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔ ان کی خودنوشت بھی "کاغذی ہے پیرہن" کے عنوان سے منظرِعام پر آئی۔

عصمت چغتائی ایک انقلابی ذہن کی مالک ہیں چوں کہ ترقی پسند تحریک نے غریبوں اور مزدوروں کی حمایت میں آواز بلند کی۔ عصمت اس تحریک سے وابستہ ہوگئیں اور قدامت پرستی کے خلاف آواز بلند کرتی رہیں۔ ان کی جرأت مندانہ تحریروں اور نازک موضوعات کے انتخاب نے ادبی حلقوں میں ایک ہچل مچادی۔ کوئی ان پر

تنقید کرنے لگا اور کسی نے انھیں فن کا عظیم علمبردار کیا۔ عصمت کے یہاں روایت سے بغاوت اور انحراف تو ہے۔ ان کے ناول حقیقت نگاری سے بہت قریب ہیں۔ ان کے ناولوں میں کرداروں کی حرکات و سکنات، جزئیات کا بیان زبان و بیان کا ستھرا انداز، طنز و ظرافت کی چاشنی، اکثر تیکھی زبان کا چٹخارہ کہانی کو دلکش اور مسحور کن بنا دیتا ہے۔ عورت کے کردار کی ہر پہلو سے تشریح عصمت نے بڑی خوبی سے کی ہے۔ عورتوں کے مخصوص محاورات، روزمرّہ اور لب و لہجہ پر انھیں مکمل دسترس حاصل تھی۔

عصمت اپنے زمانے کی تعلیم یافتہ اور باشعور خاتون تھیں۔ زمانے کے گرد و پیش سے بخوبی واقفیت رکھتی تھیں، سماج کی ناہمواریوں تہذیبی اقدار کی شکست و ریخت، معاشی و معاشرتی روایات اور سیاسی حالات کی پیچیدگیوں سے وہ باخبر رہیں۔ عصمت نے اپنے زمانے کے سیاسی حالات کا مطالعہ بخوبی کیا ہوا تھا۔ ان کے سیاسی شعور کی جھلک ان کے ناولوں ”ضدی“، ”معصومہ“ اور ”ٹیڑھی لکیر“ میں بھی ملتی ہے۔ عصمت نے اپنے مکالموں، اپنے ناولوں کے ذریعے بڑے بڑے کام لیے ہیں۔ وہ کرداروں کی زبان سے ایسی تیکھی بات کہلوا دیتی ہیں جس کا اثر ذہنوں پر تادیر قائم رہتا ہے۔ عصمت نے جنسی حقیقت نگاری کے بیان جہاں مکمل بے باکی کا اظہار کیا ہے۔ وہاں ان کے سیاسی شعور کی موجودگی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ عصمت کے سیاسی شعور کے مطالعے میں جس چیز کو خاص طور سے سمجھنا ہے وہ بیسویں صدی کے ہندوستان کی سیاستِ زمانہ ہے۔ جس پر کئی پہلوؤں سے نظر ڈالی جاسکتی ہے اور یہی منظر ساری سیاسی، معاشی، معاشرتی اور نفسیاتی گتھیوں کو کھول سکے گی جو تاریخ کا مادّی نقطۂ نظر رکھتی ہے۔ سیاسی اعتبار سے عصمت اس زمانے میں پیدا ہوئیں جہاں طبقاتی تقسیم، سرمایہ دارانہ نظام کے زیرِ اثر استحصالی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ترقّی پسندانہ سوچ اور عالمی سیاسی منظرنامے میں تبدیلیوں کے پیش نظر ہندوستان میں خاموش بغاوت سر اُٹھا رہی تھی۔

ان کے ناولوں میں سارے پوشیدہ راز کھولے گئے ہیں۔ وہ راز بھی جن کے جاننے کی ضرورت انسان کو نہ تھی یا جن کا ذکر معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ”ٹیڑی لکیر“ ان کا

شاہکار ناول ہے جو کسی خاص کردار کی داخلی اور خارجی زندگی کا ترجمان ہے۔ شمن کی پیدائش سے لے کر جوانی تک کے دلچسپ واقعات کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ عصمت اپنے کرداروں کی نفسیات کا بے حد خیال رکھتی ہیں۔ شمن کے اندر بچپن ہی سے بغاوتی عنصر موجود ہے۔ وہ ایک آزاد خیال لڑکی ہے اسے جگہ جگہ مزاحمت کا سامنا ہے۔ جنگِ عظیم دوم کا زمانہ ہے۔ شمن نے ایک سفید فام ٹیلر سے شادی کرلی ہے۔ شمن کا ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوجاتا۔ اپنے ترقی پسندانہ خیالات کا اظہار کرنا، ہندوستان کے سیاسی حالات پر بحث و گفتگو کرنا، عالمی سیاسی بساط کی روشنی میں ہندوستانی سماج کی حالت کو دیکھنا۔ سیاسی و سماجی شعور کی بیداری کی علامت ہے۔ شمن اپنے گرد و پیش کے حالات سے باخبر ہے۔ وہ سیاسی، اقتصادی اور سماجی پہلوؤں کی بھی ترجمانی کرتی ہے۔ ہندوستان کے مزدور، کسان، غریب عوام کے لیے خاص انداز فکر رکھتی ہے۔

> ”اور تم دیکھنا مزدوروں کا پھاوڑا ہی جیتے گا اور یہ پھاوڑا اس جھوٹے نظام کو چکنا چکور کردے گا۔ بے گناہوں کا خون ضائع نہیں ہوگا۔ اس خون سے اگی ہوئی روٹی چباکر سرخ قوم پیدا ہوگی۔ سکون کا دامن چاک ہوگا۔“(ص337، چغتائی،1997)

شمن کا کردار استحصالی نظام کے خلاف ایک للکار ہے جو سیاسی سماجی اور معاشی ناہمواریوں کے ساتھ ساتھ جنسی اُلجھنوں کو بھی منظرِعام پر لاتا ہے۔ اس دَور میں آزادی کی تڑپ، عدم مساوات کی چبھن، طبقاتی تفریق کا المیہ، آزاد فضا میں پرواز کی اُمنگ معیار حُسن میں تبدیلی، نظریاتی جدوجہد، معاشرتی مسائل وغیرہ بکھرے نظر آتے ہیں۔

سیاسی بدعنوانیوں کا پرچار عصمت نے اپنے ناول میں بڑے فنکارانہ انداز میں کیا ہے۔ ”ٹیڑھی لکیر“ میں جہاں عورت کی نفسیاتی پیچیدگیوں کا ذکر ملتا ہے وہاں ترقی پسندانہ خیالات کے زیرِ اثر ہندوستانی سماج میں پیدا ہونے والی نئی سیاسی سوچ کی بھی عکاسی ہے۔

”دوسری جنگ ِعظیم شاید منزل آزادی قریب لے آئی تھی مگر نہیں افتخار نے کہا ۔ اب غلاموں کو اپنی جنگ ِآزادی چھوڑ کر آقاؤں کی جنگ ِآزادی کی خاطر خون بہانا ہوگا۔ بہرحال وہ دن آئے گا جب لفظ غلامی لغت کی کتابوں میں نہ ملے۔“ (ص342، چغتائی)

اس دَور میں سماجی نظام پوری طرح بدل رہا تھا۔ عصمت نے جہاں ایک طرف اس نظام کو ٹوٹتے دیکھا تھا وہیں دوسری طرف ایک نئے نظام اور نئی اقدار کو پروان چڑھتے ہوئے بھی دیکھا۔ اس دوران ہندوستان میں آزادی کی تحریک اپنے عروج پر تھی پھر ملک آزاد ہوا۔ تقسیم کا اندوہناک واقعہ پیش آیا جس کے نتیجے میں فسادات ہوئے۔ مشترکہ کلچر تباہ و برباد ہوا۔ بھائی چارگی کی فضا مسمار ہوئی۔ سماجی ڈھانچہ بُری طرح شکست و ریخت کا شکار ہوا۔ نفرت و تعصب کا بازار گرم ہوا۔ پورا ملک بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر دردناک تاریخی باب سے دوچار ہوا۔ آزادی کے بعد ملک میں بدعنوانی، چوربازاری، رشوت خوری کا دور دورہ چلا۔ سماجی اور اقتصادی غلامی پھر بھی قائم رہی۔ ان تمام حالات و واقعات کا عصمت نے گہرے طور پر مشاہدہ کیا جس کے بارے میں وہ لکھتی ہیں:

”ہم نے دو دَور دیکھے ہیں۔ آزادی سے پہلے اپنی ذاتی خواہشات اور مفادات کو آزادی کی خاطر قوم و ملک کی خاطر قربان کردینا اور پھر آزادی کے بعد بنیوں کی لوٹ کھسوٹ دھاندلی، چور بازاری دیکھی۔“

عصمت کا ناول ”ضدی“ جاگیردارانہ ذہنیت اور نچلے طبقے کی مجبوریوں کا عکاس ہے۔ ضدی کا موضوع طبقاتی تضاد ہے۔ جاگیردارانہ طبقے اور نچلے طبقے کی دو انتہائیں اس ناول میں ملتی ہیں۔ انگریزوں سے پہلے ہندوستان میں زمین کی انفرادی ملکیت کا تصوّر نہیں تھا۔ یہ نوآبادیات کا کمال تھا کہ انھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جاگیریں تقسیم کرکے انھیں حکومت میں اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

”ضدی“ میں عصمت نے ان نوآبادیات سے جاگیریں پانے والے تنگ نظر مفاد پرست جاگیرداروں کا احوال ملتا ہے اور اس طبقاتی نظام کے زیرِ اثر نچلے سماج میں پیدا ہونے والی محرومی، نفرت اور بے بسی کا ذکر ہے۔ اس ناول میں عصمت کے سیاسی شعور کی پیشکش کو بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ البتہ سیاسی تحریکات اور سیاسی منظرنامے کا کوئی خاص احاطہ اس میں شامل نہیں ہے۔ عصمت کا ناول ”معصومہ“ فلم انڈسٹری اور ساہوکاروں کی زندگی کی حقیقی عکاسی کرتا ہے لیکن اس ناول کے منظرنامے میں سماجی زندگی کی ناہمواریاں، سیاسی حالات کا اتار چڑھاؤ اور سیاست کے گھناؤنے باب کا بھی انکشاف میں کہتی ہیں:

> ”یہاں بمبئی آنے کے بعد کمیونسٹ پارٹی سے میرا واسطہ پڑا اور مجھے سیاست اور اکانومکس کا بھی تجربہ ہوا۔ پتا چلا کہ میں جنس اور اس کی گھٹن ہی اتنا اہم موضوع نہیں بلکہ اور بہت سے موضوع ہیں اور پھر میں نے ان موضوعات کو چھونے کی کوشش کی۔“(ص18، ماہنامہ شاعر، 1976)

عصمت کا کانگریس پارٹی کی پالیسیوں سے پوری طرح متفق ہونا عیاں ہے۔ کمیونسٹ پارٹی میں بذاتِ خود انھوں نے شمولیت اختیار کی۔ ادبی اور سیاسی حلقوں سے وابستگی ان کی زندگی اور تحریروں میں نمایاں رہی ہے۔

عصمت ایک ایسی قلمکار ہیں جو اپنے خیالات کو کردار میں پیش کردیتی ہیں انھوں نے اپنے اندر کی بغاوت، ضد، جرأت اور روایت شکنی کو اپنے ناولوں یں عیاں کردیا ہے۔ حقیقت کے اظہار کے ساتھ ساتھ انھوں نے استحصالی نظام، عدم مساوات، توہمات تعصبات اور تنگ نظر سماج کی لعنتوں کو لکھ ڈالا ہے۔

ناول ”دل کی دنیا“ میں عصمت نے فرسودہ رسم و رواج میں جکڑی ہوئی ایک ایسی لڑکی کی کہانی پیش کی ہے جو شوہر کی عدم توجہی کا شکار ہے۔ ایک بے بس اور مجبور لڑکی جب اس فرسودہ سماج کے سامنے کھڑی ہوتی ہے تو خاندانی عزت و وقار کی دیوار سامنے آجاتی ہے۔ سماجی ناہمواریوں کا بیان اس کہانی میں ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ عصمت نے اپنے ناولوں کے ذریعے معاشرے میں پھیلی ہوئی بُرائیوں سے پردہ

اُٹھایا ہے۔ عورتوں کے استحصال کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ ناول کی دنیا میں عصمت چغتائی کے ناول نفسیاتی مسائل، جنسی اُلجھنوں عورتوں کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے سیاسی حالات و واقعات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ اپنی تحریروں سے عصمت اپنے سیاسی شعور کا احساس دلاتی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالحق حسرت کا سگنجوی لکھتے ہیں:

> ”عصمت چغتائی نے حقیقت نگاری کے جوہر تو دکھائے ہیں کی صرف اس بات کی ہے کہ انھوں نے مسائل کا گہرا نفسیانہ تجزیہ نہیں کیا ہے۔“(ص634، کاسگنجوی، 2001)

عصمت نے اپنے ناولوں کے ذریعے معاشرے کی ایسی ایسی حقیقی شکلیں پیش کی ہیں جو ہماری نظروں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی نہیں تھیں۔ دراصل عصمت فرائیڈ کے نظریات سے متاثر تھیں۔ عصمت پہلی خاتون ناول نگار ہیں جنھوں نے فرائیڈ کے اُردو میں مشہور نظریہ تحلیل نفسی کا اثر سب سے زیادہ قبول کیا۔ ان نظریات نے یورپی دنیا بالخصوص مغربی ادب کو بہت متاثر اُردو اَدب میں بھی ان نظریات کی بازگشت سنائی دی۔ خصوصی طور پر عصمت چغتائی کے ناولوں میں ہم اس کا پرچار دیکھتے ہیں۔

عصمت کے یاں معاشرتی رویوں کے بیان میں کوئی منافقت نظر نہیں آتی۔ معاشرے میں پھیلی بُرائیوں خواہ وہ کسی بھی سیاسی معاشی وجہ سے ہوں بُری خوبی سے بیان کیا ہے۔ عصمت کے زبان و بیان میں سلاست اور برجستگی موجود ہے۔ انھوں نے ناولوں میں سوانحی انداز اپنایا ہے۔ روایتی معاشرے کی پرواہ کیے بغیر نازک موضوعات پر خوب لکھا ہے۔ عصمت کے بیشتر ناولوں میں ایک باغیانہ پن نظر آتا ہے۔ عصمت کے افسانوں میں بھی ان کے عالمی، سیاسی، تہذیبی اور تاریخی شعور کی ایک جھلک اور گہرا احساس اور اظہار موجود ہے۔ اس کی ایک مثال عصمت کا افسانہ ”تھوڑی سی پاگل“ ہے جس میں ہٹلر کی تباہ کاریوں کو اور اس کے نتیجے میں تباہ کاریوں کے اثرات کا شکار عوام کے ردِّعمل کو موضوع بنایا ہے۔

> ”عصمت چغتائی مذہب، معاشرہ سیاست، قانون، معیشت، قومی اور بین الاقوامی تحریکوں، تبدیلیوں اور انقلابات کو پرکھنے اور جانچنے کے لیے ”انسانیت“ اور انسان دوستی کو ہی کوئی اور معیار سمجھتی ہیں۔“ (ص207، کوکب)

عصمت چغتائی کے ناول ادب کے قاری کو یہ باور کروانے کے لیے کافی ہیں کہ عصمت تاریخی، تہذیبی اور سیاسی شعور و بصیرت کی حامل صلاحیتوں سے بھرپور ہیں اور اس سیاسی شعور و بصیرت کے تخلیقی اظہار سے وہ ادبی دنیا کے قارئین کو چونکا دیتی ہیں اور ان کے ناول اس بات کا اظہار یہ ہیں کہ عصمت چغتائی اپنے عہد کے سیاسی حالات و واقعات سے نہ صرف باخبر رہیں بلکہ سیاسی دھارے میں ان کی وابستگی کا اشارہ بھی واضح طور پر ملتا ہے جب کہ اپنی سیاسی بصیرت کا بڑی بے باکی سے انھوں نے اپنے ناولوں میں اظہار بھی کیا ہے جو ان کے سیاسی شعور کی پختگی کی علامت بھی ہے۔

ڈاکٹر محمد افضال بٹ لکھتے ہیں:

> ”عصمت نے اپنے شعور اور آگہی کی بدولت اس آگ کو پہچانا اور اسے اپنے ناولوں کا موضوع بناکر پیش کردیا۔“ (ص138، بٹ)

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ادیب اپنے عہد کے سیاسی حالات سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔

ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں کہ:

> ”عصمت چغتائی اپنے معاشرے کی ظاہری امن پسندی اور خوب صورتی کے پس پردہ موجود انسان کشی، باطنی غلاظت اور استحصال پسندی کی عکاسی ایک ماہر جراح کی طرح کرتی ہیں۔“ (ص312، اشرف)

غرض کہ سیاسی بصیرت اور سماجی آگاہی نے ان کے فکری رجحان میں تنوّع، وسعت اور گہرائی پیدا کی۔ سیاسی اور سیاسی مسائل کے تئیں عصمت کی ذہنی بیداری ان کے پختہ سماجی اور سیاسی شعور کا نتیجہ ہے۔

حواشی

۱۔ شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر، "تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند"، (جلد ۱۰)، (پنجاب یونیورسٹی پریس)، ص۱۳

۲۔ ہنس راج رہبر، "ترقی پسند ادب ایک جائزہ"، (دہلی: آزاد کتاب گھر، ۱۹۶۷ء)، ص۱۴۲

۳۔ تحسین بی بی ،ڈاکٹر، "بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے اُردو آدب پر اثرات" (کراچی: جنگ میگزین، قرطاس ادب، ۲۰۱۸ء)

۴۔ ویب گاہ:
2016https://mimirbook.com/urworldencyclopediacontemperaryaliendictionary

۵۔ ایضاً

۶۔ محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، "اُردو ناول میں سماجی شعور"، (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء)، ص۱۴

۷۔ الفرڈ ویبر، "تاریخِ فلسفہ"، اُردو ترجمہ :ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، (حیدرآباد دکن: جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، ۱۹۲۸ء)، ص۱۰

۸۔ نسیم احمد نسیم ،ڈاکٹر، "فلسفہ مارکسیت اور پروفیسر وہاب اشرفی"، ۲۰۲۱ء، ویب گاہ: www.adbimiras.com

۹۔ سیّد احتشام الدین، "حالیؒ کا سیاسی شعور"، مشمولہ ۲۰۲۱ء، ویب گاہ: rekhta.org

۱۰۔ عصمت چغتائی، "ٹیڑھی لکیر" ناول (لاہور: مکتبہ اُردو، ۱۹۹۷ء)، ص۳۳۷

۱۱۔ ایضاً، ص۳۴۲

۱۲۔ عصمت چغتائی سے ایک ملاقات، ماہنامہ "شاعر"، (بمبئی، ۱۹۷۶ء)، ص۱۸

۱۳۔ عبدالحق حسرت کاسگنجوی ،ڈاکٹر، "عصمت چغتائی نقد کی کسوٹی پر"، (دہلی: میکاف پرنٹرس، ۲۰۰۱ء)، ص۶۳۴

۱۴۔ فرزانہ کوکب ،ڈاکٹر، "عصمت چغتائی کی افسانہ نگاری میں تہذیبی"، ص۲۰۷

۱۵۔ محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، "اُردو ناول میں سماجی شعور"، (اسلام آباد : پورب اکادمی) ، شمارہ نمبر ۱، ص۱۳۸

۱۶۔ خالد اشرف ،ڈاکٹر، "برِّصغیر میں اُردو ناول"، (لاہور: فکشن ہاؤس) ، ص۳۱۲